جزیرۂ قوصرہ

از مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی لکچرر تاریخ مدرسۂ عالیہ کلکتہ

اسلامی تاریخ میں اندلس، صقلیہ، اقریطش، اور سردانیہ جیسے وسیع وعریض جزیروں کا ذکر نہایت جلی اور روشن عنوانوں کے تحت نظر آتا ہے۔ لیکن انہیں جزیروں کے آس پاس کئی ایک چھوٹے جزیرے بھی ہیں جن کی طرف ہماری توجہ ضمنی طور پر ہی منعطف ہوتی ہے حالانکہ ان چھوٹے چھوٹے جزیروں میں بھی عربوں کی سطوت وحکومت کے زریں نقوش ہماری نگاہوں کو دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔ اسی قسم کے ایک چھوٹے جزیرہ سے آیندہ سطروں کا تعلق ہے جس کا نام موجودہ جغرافیہ میں بہ ظاہر کچھ سے کچھ ہو چکا ہے، عرب مورخین وجغرافیہ نویس اس کا نام قوصرہ بتاتے ہیں اور اب اسی جزیرہ کو بنطلاریہ (PANTELLARIA.) کہتے ہیں۔

تیونس کے ایک نامور محقق حسن حسنی عبدالوہاب باشا نے اس جزیرہ کی اسلامی تاریخ وتمدن اور یہاں کی موجودہ نسل کی زبان، تہذیب اور کلچر پر عرب فاتحین کے اثرات کی جستجو میں ایک مختصر لیکن مفید ومحققانہ مقالہ[1] شائع کیا تھا اسی عربی مقالہ کا خلاصہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ لیکن اصل خلاصہ پیش کرنے سے پہلے اس جزیرہ کے نام، جغرافیائی موقع، اور عربوں سے قبل یہاں کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔

نام کے متعلق خود مقالہ نگار کی تحقیق یہ ہے کہ قوصرہ عربی زبان میں زنبیل کے معنی رکھتا ہے، جزیرہ کی ہیئتِ ارضی کو زنبیل سے جو صوری مناسبت ہے اسی بنا پر اس کو قوصرہ کا نام دیا گیا عربوں کے ورود سے پیشتر اس کا نام (COSSYRA) تھا جس کے معنی یونانی میں بھی زنبیل کے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عربی میں یہ لفظ یونانی سے آیا ہو، گو کہ حضرت علی بن ابی طالب کی طرف منسوب ایک بیت میں اس لفظ کا استعمال زنبیل یا ٹوکرے کے معنی میں ملتا ہے۔

افلح من کانت لہ قوصرہ   یاکل منہا کل یوم مرہ

---

[1] المجلۃ التاریخیۃ المصریۃ: ج ۲ ع ۲ ص ۵۵ - ۷۲۔

ایک لغوی احتمال یہ بھی ہے کہ قوصرہ کا اشتقاق فینیقی زبان کے لفظ " قصرہ " کی تصغیر " قیصرۃ " سے قرار دیا جائے اور بہت ممکن ہے کہ واقعہ بھی یہی ہو اس لئے کہ فینیقی زبان بحر روم کے جزیروں اور شمالی افریقہ میں عام تھی اس لفظ کے معنی فینیقی میں بھی یہی ہیں۔ غرض اس نام کا قصہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ لیکن ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ موجودہ نام (PANTELLARIA) جو عربوں کے زوال کے بعد اسپین کے فاتح عیسائیوں کا رکھا ہوا ہے اس کے معنی بھی زنبیل یا ٹوکرے کے ہیں۔ قوصرہ کے املاء سے متعلق یاقوت نے مشہور لغوی ابن القطاع کے بارہ میں نقل کیا ہے کہ وہ قوصرا الف سے لکھتا تھا۔

یہ جزیرہ صقلیہ اور تونس کے درمیان بحر متوسط میں (کیپ گرانی ٹولا سے ساٹھ میل جنوب اور کیپ بن سے ۴۵ میل مشرق) واقع ہے۔ اس کا رقبہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مضمون نگار نے ۴۵ مربع میل بیان کیا ہے زمین زرخیز لیکن صاف پانی سے محروم ہے۔ یہ اپنی اصلیت کے اعتبار سے برکانی جزیرہ ہے چنانچہ اس کے تیز دھاروں کے چشمے اب تک برکانی عوامل کے اثرات کا پتہ دیتے ہیں۔ یہاں کے خاموش آتش فشاں کا دہانہ سطح آب سے ۲۷۴۳ فٹ بلند ہے۔ یہاں کی تاریخ میں قرطاجنہ سے پہلے بنی نوع انسان کے کسی اور جتھے کا سراغ نہیں ملتا۔ ۲۱۷ق۔م میں رومن امپائر کا قبضہ ہوا اور رومن شہنشاہیت کے دور میں شاہی خاندان کے اراکین اور معزز شخصیتوں کو اسی جزیرہ میں جلاوطن کیا جاتا تھا۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں قوصرہ کے مضمون نگار نے ابن تغری بردی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تاریخ اسلام کا مشہور شقی ابن ملجم اسی قوصرہ میں[1] جلاوطن تھا۔ بہرحال قوصرہ کی قسمت بڑی حد تک جزیرہ صقلیہ سے وابستہ رہی اور دونوں جزیرے زیادۃ اللہ الاول اغلبی کے عہد میں مسلمانوں کے قبضہ واقتدار میں آئے۔ ویسے

---

(۱) النجوم الزاھرۃ: ج ۱ ص ۱۳۶ (لیڈن ۱۸۵۵ء)۔ ابن ملجم کے متعلق مورخین کا متفقہ کلمہ یہ ہے کہ حضرت حسن نے اس کو قتل کروایا تھا اور لوگوں نے اس کی لاش کو چٹائی میں لپیٹ کر یا کسی ٹوکرے میں بھر کر جلا دیا تھا۔ طبری کے الفاظ ہیں کہ:۔ فأدرجوه فی بواری ثم احرقوه بالنار (ج ۴ ص ۱۱۴ الاستقامۃ ۱۹۳۹م) ابن الاثیر کے الفاظ بھی تقریباً یہی ہیں۔ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ (ج ۷ ص ۳۳۰) میں مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے اخیر میں یہ لکھا ہے کہ:۔ ثم قطعوا لسانہ ثم قتلوہ ثم حرقوہ فی قوصرۃ۔ یہاں قوصرہ سے مراد جزیرہ پنطلاریہ نہیں ہو سکتا اس کے معنی ٹوکرا کے ہیں۔ النجوم الظاہرہ جلد اول مجھے نہیں مل سکی تاہم میرا خیال یہ ہے کہ اس میں بھی عبارت کی یہی نوعیت ہوگی جو ابن کثیر کے یہاں ہے اور بہت ممکن ہو کہ قوصرہ کے مضمون نگار سے ابن تغری بردی کا بیان سمجھنے میں غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو۔

اسلامی حملوں کی ابتدا ان جزیروں پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ہی سے ہو چکی تھی۔ ابن الاثیر(۲) ۲۲۰ھ - ۲۲۳ھ میں جزیرہ قوصرہ پر مسلمانوں کے ایک حملہ کا ذکر کرتا ہے۔ اس حملہ کا مقصد مفتوح قوم کی باغیانہ سرگرمیوں کو ختم کرنا ہوگا اس لئے کہ قوصرہ پر اسلامی قبضہ کا زمانہ یقیناً جزیرہ صقلیہ پر مسلمانوں کے تسلط سے پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۶۱۹ھ ہجری (۱۲۲۲-۲۳م) میں جب عیسائیوں کی مہم جزیرہ صقلیہ کی بازیابی میں کامیاب ہوئی تو جزیرہ قوصرہ سے بھی مسلمانوں کی عملداری بتدریج ختم ہو گئی۔ پھر اس جزیرہ میں مسلمانوں کا وجود کب تک باقی رہا اور آخر میں اُن کا کیا حشر ہوا۔ یہ تمام باتیں اصل مضمون کے خلاصہ میں آپ کے ملاحظہ سے گذریں گی اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس جزیرہ پر عرب حکمرانوں کے اثرات کہاں تک باقی ہیں۔ جے، ایچ، کریرس صاف لفظوں میں اعتراف کرتا ہے کہ قوصرہ یعنی موجودہ بنطلاریہ کے ایطالوی لب و لہجہ پر عربی زبان کا اثر درسوخ زمانۂ حال تک قائم رہا اور عربی زبان اٹھارہویں صدی مسیحی کے اواخر تک یہاں مستعمل رہی۔ مزید تفصیل خود حسن حسنی عبدالوہاب باشا کی زبانی سُنیں۔

بحر متوسط (روم) کے مغربی ساحل سے قریب کئی ایک جزیرے ہیں۔ ان میں سے بعض کی مساحت افریقہ کے طول و عرض سے بڑھ جاتی ہے۔ اور بعض اتنے چھوٹے ہیں کہ تونسی اضلاع میں سے کسی ایک کی مساحت کو نہیں پہونچتے، یہ چھوٹے بڑے جزیرے جو نیلگوں سمندر کی سطح پر نقطوں کی شکل میں نظر آتے ہیں عرب فاتحین کی عقابی نظروں سے اوجھل نہیں تھے۔ عرب اپنے ترقی و عروج کے عہد میں ان جزیروں سے اچھی طرح واقف تھے اور یہاں ان کی حکومت طویل عرصہ تک قائم رہی۔ ان جزیروں میں عرب جتھوں اور نو مسلم بربروں کی نو آبادیاں قائم ہو گئی تھیں اور تمدن و تہذیب کے جملہ وسائل ان غیر آباد علاقوں میں اختیار کئے گئے تھے۔

سردانیہ۔ کرسکہ اور اندلس کے مشرق میں میورقہ، منورقہ، یابسہ، ان میں سے کہاں فرزندانِ توحید کے قدم نہیں پہونچے تھے۔ بحر متوسط کا مشہور جزیرہ "صقلیہ" جس کی وسعت ممالک افریقہ سے تین گنا زیادہ ہے، پیہم حملوں کے بعد تیسری صدی ہجری کے اوائل میں دولت اغالبہ قیروان کے قلمرو میں شامل ہوا۔ چھوٹے جزیروں میں سے مالطہ اور اس کے قرب و جوار پر بھی عربوں کا قدم ایسا مضبوط جم گیا تھا کہ آج بھی ان جزیروں میں مشرقیت کی روح باقی ہے اور ایک چھوٹا جزیرہ تونسی علاقہ سے قریب ہی شمال مشرق کی سمت واقع ہے جہاں کی موجودہ نسل میں فاتح مسلمانوں کے عروج و اقتدار کے باقی ماندہ نقوش زمانہ حال تک مشاہدہ میں آتے ہیں۔ یہ جزیرہ اب بنطلاریہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۲) الکامل - ج ۶ ص ۲۳۹ (یورپ) -- ج ۵ ص ۱۸۸ (المنیریہ)

قوصرہ کا موقع
جزیرہ قوصرہ، افریقہ اور صقلیہ کے بیچ راستہ میں واقع ہے۔ اس کی ساحت تقریباً ۸۵ مربع میل ہے اور آبادی دس ہزار سے زیادہ نہیں۔ اس طرح یہ جزیرہ تونس کے درمیانی درجہ کے شہر المہدیہ یا نابل کے برابر ہے۔ جزیرہ میں ایک محفوظ بندرگاہ ہے جو قریبی زمانہ میں اٹالیہ کی فضائی طاقت کا زبردست مرکز تھا۔

یہاں کے باشندوں کے مختلف شعبۂ زندگی پر عربوں کے جو اثرات غالب تھے ان کی تشریح سے پیشتر اس جزیرہ کے متعلق عرب جغرافیہ نویسوں کے معلومات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

عرب جغرافیہ نویسوں کا بیان
چھٹی صدی ہجری کا مشہور مغربی جغرافیہ داں الادریسی[1] اس جزیرہ کو افریقہ کے حصن اقلیبیہ کے موازات میں صقلیہ کے مشہور شہر الشاقہ (Sciacca) اور مازرہ (Mazzara) کے درمیانی خط فاصل کی سیدھ میں بتاتے ہوئے یہاں کی زرخیزی کی شہادت دیتا ہے، زیتون اور جنگلی بکروں کی کثرت کا ذکر کرتا ہے اور جزیرہ کے جنوبی حصہ میں ایک محفوظ بندرگاہ کا پتہ دیتا ہے۔

یاقوت حموی[2] اس جزیرہ کا موقع المہدیہ اور تونس کے درمیان بتانے کے بعد لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اس کو فتح کر لیا تھا اور تھوڑی مدت تک ان کے قبضہ میں رہنے کے بعد ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔ پھر وہ اپنے زمانہ (ساتویں صدی ہجری) میں یہاں خوارج کی ایک جماعت وہبیہ کے وجود کا ذکر کرتا ہے۔

ابن سعید غرناطی[3] المتوفی ۶۸۵ھ (۱۲۸۶ء) کہتا ہے کہ جزیرہ قوصرہ جہاں سے انجیر اور نفط کی برآمد ہوتی ہے اور جہاں مصطگی کے درخت پیدا ہوتے ہیں، صقلیہ کے فرنگیوں کے ماتحت رہنے والے مسلمانوں کا جزیرہ ہے۔ پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ یہیں سے مسلمانوں نے جزیرہ صقلیہ کو فتح کیا تھا۔

ابو الفداء (م ۷۳۲ھ / ۱۳۳۲ء) تقویم البلدان میں اس جزیرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہاں مصطگی کا درخت ہوتا ہے اور یہیں سے انجیر اور روئی کثیر مقدار میں برآمد کرتے ہیں۔

ابن فضل اللہ العمری[4]، کتاب مسالک الابصار میں لکھتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کی جماعت مقررہ ٹیکس ادا

(۱) نزہۃ المشتاق
(۲) معجم البلدان: ج ۷ ص ۱۸۳ - طبع مصر
(۳) نورالدین علی بن سعید: کتاب بسط الارض فی طولہا وعرضہا - مجموعہ اماری ص ۱۳۴
(۴) مسالک الابصار فی ممالک الامصار - ابن فضل اللہ - نسخۂ جامع زیتونہ۔

کرکے عیسائیوں کے ذمی کی حیثیت سے رہتی بستی ہے اور ایسے مسلمان جو فرنگیوں کے ماتحت رہیں بلاد مغرب میں مدجنین کے نام سے مشہور ہیں۔

اسلامی بحریہ بحر متوسط میں

توصرہ کے متعلق اسلامی جغرافیہ نویسوں کے معلومات کا خلاصہ بہم پہونچانے کے بعد ہم عربوں کے تسلّط و استیلاء کی تاریخ کی طرف ناظرین کی نگاہ پھیرتے ہیں کہ بلادِ افریقہ میں جب عربوں کے قدم مضبوط جم گئے اور خاص طور پر افریقہ کے اہم مرکز قرطاجنہ کو بیزنطینی حکومت کے ہاتھوں سے چھین لینے میں قرن اوّل کی اخیر چوتھائی (ساتویں مسیحی کے اواخر) میں کامیاب ہونے کے بعد تو عربوں کے لئے ضروری تھا کہ افریقہ اور یورپ کے درمیانی جزائر کی تسخیر کی مہم شروع کریں ورنہ دولت بیزنطینیہ زمین کا جو رقبہ کھو چکی تھی اس کی بازیافت کے لئے بھی آئے دن کوشاں تھی۔ لہذا رومی حملوں سے اسلامی قلمرو کے اطراف و جوانب کو بچائے رکھنا اور ساتھ ہی بحر روم کے ماوراء ملکوں پر اسلامی قبضہ و اقتدار کا قائم کرنا ان جزیروں کی تسخیر کے بغیر ناممکن تھا جہاں رومیوں کی دفاعی طاقت مورچے جمائے تھی۔ انہی دواعی کے ماتحت اموی وُلاۃ کی توجہ افریقہ پر کلّی غلبہ حاصل کرتے ہی جہاز سازی کے کارخانہ (دارالصناعۃ) کے قیام کی طرف منعطف ہوئی اور اسلامی تاریخ میں قرطاجنہ کا دارالصناعۃ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلا بحری کارخانہ تھا جسے عربوں نے کسی اتفاقی امر کی بنا پر نہیں بلکہ اموی اربابِ تدبر و سیاست کے اشارہ سے قائم کیا تھا۔ اس دارالصناعۃ کی بنیاد تقریباً ۸۰ھ ۶۹۹ء میں حسان بن النعمان غسانی نے ڈالی اور اس کے لئے تمام ضروری سامان اور عملہ فراہم کئے۔ مصر سے ایک ہزار قبطی مع اہل و عیال اسی کارخانہ کو چلانے کے لئے افریقہ لاکر بسائے گئے۔ اور یہ سب کچھ خلافت بنی اُمیہ دمشق کی پالیسی اور دنیائے اسلام کے مدبرین و ماہرین سیاست کی رائے کے مطابق انجام پا رہا تھا۔

دارالصناعۃ کے کھلتے ہی عربوں کی بحری سرگرمیوں کا آغاز ہوگیا چنانچہ افریقہ کے جنگی بیڑے بحر متوسط کی لہروں سے کھیلتے اور جزائر و سواحل کے فرنگیوں سے ٹکراتے نظر آنے لگے اور بحری غزوات کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا رومیوں کے بہت سے جنگی مرکزوں پر اسلامی عملداری قائم ہوگئی اور اسلامی بحریہ کا رعب مسیحی بیڑوں پر ایک مدت تک چھایا رہا ابن خلدون اس موقع پر لکھتا ہے۔

"مسلمانوں کو دولت اسلامیہ کے عہد میں اس سمندر (بحر متوسط) پر کامل اقتدار و غلبہ حاصل ہوگیا تھا اور اُن

کی عظمت وشوکت سطحِ آب پر نمایاں ہوگئی تھی۔ اسلامی بحری بیڑوں سے ٹکر لینا عیسائیوں کے بس سے باہر ہوگیا۔ بحری معرکوں میں عربوں کی فتحمندی اور مالِ غنیمت سے بہرہ وری کے واقعات روشن ہیں۔ چنانچہ ساحل سے الگ تمام جزیروں مثلاً میورقہ، منورقہ، یابسہ، سردانیہ، صقلیہ، قوصرہ، مالطہ اقریطش، قبرص وغیرہ کے مالک بن بیٹھے۔ اور اس بحرِ بیکراں کے اکثر حصوں پر مسلمانوں کا تسلط رہا اسلامی بیڑے بے خطر نقل وحرکت میں مصروف رہتے اور اسلامی فوجوں کی آمد ورفت صقلیہ سے سامنے کی خشکی (افریقہ) کو برابر جاری رہتی۔ یہ فوجیں عیسائی مملکتوں پر اکثر چھاپہ مار جاتی تھیں، مسلمانوں کے برعکس مسیحی قومیں اپنے بیڑوں سمیت شمال مشرق کی جانب ہٹ آئیں اور فرانس، ایطالیہ اور رومانیہ کے جزیروں میں سمٹ کر رہ گئیں۔ ان کے لئے ان حدود سے باہر نکلنا دوبھر ہوگیا۔ غرض اسلامی بیڑوں کی صولت عیسائیوں پر ایسی قائم ہوئی جیسے شیر نیستان کی دھاک شکار پر جمی ہوتی ہے"

(مقدمہ: ص ۲۱۲)

قوصرہ پر اسلامی اقتدار

قوصرہ اور آس پاس کے جزیروں پر پہلا حملہ عبدالملک بن قطن الفہری نے (۸۶ھ - ۷۰۵ء) کیا تھا اس وقت افریقہ کی ولایت پر مشہور اموی قائد موسیٰ بن نصیر مامور تھا۔ بحری جنگوں میں تونس ہی کے دارالصناعۃ کے تیار کردہ بیڑے استعمال کئے جاتے تھے پھر ابن الحبحاب کے دورِ ولایت میں حبیب بن ابی عبیدۃ الفہری کے حملہ (۱۱۸ھ - ۷۳۶ء) کا ذکر ملتا ہے۔ اور ہمارا خیال یہ ہے کہ سنہ ۱۳۰ھ/۷۴۸ء میں مسلمانوں کا کامل اقتدار اس جزیرہ پر قائم ہوگیا تھا۔ اور فتحمندی کا سہرا عبدالرحمٰن بن حبیب الفہری کے سر تھا جو افریقہ کے مشہور فاتح عقبہ بن نافع کی اولاد سے تھا اور جس نے مشرق میں دولتِ امویہ کی زبوں حالی دیکھ کر افریقہ اور بلادِ مغرب میں خود مختار حکمراں کی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ بہرحال قوصرہ پر مسلمانوں کا قبضہ بنوالاغلب کے حملے سے اسی بیاسی سال پیشتر ہی قائم ہوچکا تھا۔ پھر سنہ ۲۱۲ھ/۸۲۷ء میں جب جزیرۂ صقلیہ پر قاضی اسد بن الفرات کے زیرِ قیادت اغالبہ کو فتح حاصل ہوئی تو اس حملہ کے دوران میں اسلامی بحریہ کا اہم اسٹیشن جزیرۂ قوصرہ ہی بنا رہا۔ جہاں صبح شام اغلبی بحریہ کی آمد ورفت رہتی تھی اور اسی جزیرہ میں اغالبہ نے خبر رسانی کا محکمہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ چنانچہ اہم خبریں یہیں سے نامہ بر کبوتروں (حمام الرسائل) کے ذریعہ بھیجی جاتی تھیں۔

مخلوط نو آبادی چونکہ جزیرۂ قوصرہ کا موقع صقلیہ اور بلاد افریقہ کے بیچ میں ہے۔ لہذا صقلیہ کی فتح کے سلسلہ میں عربوں کو اس جزیرہ سے زبردست فائدہ پہونچا۔ جزیرہ کا مضبوط و بلند بندرگاہ اور اس کا زبردست قلعہ اہل افریقہ کے لئے بہترین پناہ گاہ تھا جنگی نقطۂ نگاہ سے اس جزیرہ کے موقع کی اہمیت واضح تھی۔ اسی بنا پر بنو الاغلب نے اپنی خاص توجہ اس جزیرہ کی تعمیر و ترقی کی جانب مبذول کی۔ اس وقت یہاں مختصر سی آبادی تھی۔ زیادہ حصہ افتادہ، غیر آباد اور سنسان تھا۔ غیر آباد علاقوں کو آباد کرنے میں اغالبہ نے ایسی سرگرمی کا مظاہرہ کیا کہ پورے جزیرہ میں زندگی کی لہر سی دوڑ گئی۔ صقلیہ سے عیسائیوں کے گروہ لاکر بسائے گئے جن کو منتقل کرنے میں بنو الاغلب کی بادبانی کشتیاں کام آئیں۔ قوصرہ کی زرخیز زمین ان نو وارد عیسائیوں میں تقسیم کردی گئی کہ زراعت سے اپنی ضرورتیں پوری کرلیں۔ پھر تیونس کے ساحلی علاقوں سے کاشتکاروں کی ایک جماعت بھیجی گئی جس میں عرب بھی تھے اور افریقی بھی۔ یہ جماعت ایطالیہ کے عیسائیوں کے قرب و جوار میں بسائی گئی۔ اس طرح قلیل عرصہ کے بعد ہی اس غیر آباد جزیرہ میں ذمی مسیحیوں اور عرب و افریقی مسلمانوں کی زبردست آبادی نظر آنے لگی۔ مخلوط معاشرت و ہم وطنی کی وجہ سے ان سب کا بلا تفریق مذہب و ملت ایک مستقل کلچر پیدا ہوگیا جس پر اسلامی تہذیب و تمدن کا قالب چڑھا ہوا تھا۔ عربی طرز معاشرت کے علاوہ سب کی زبان بھی مشترک طور پر لغۂ عربیہ تھی۔

یہیں سے واضح ہوجاتا ہے کہ اغالبہ کو سیاسیات میں کیسی مہارت تھی اور ان کو عمرانی تقاضوں اور اجتماعی ضرورتوں کو سمجھنے کا کتنا سلیقہ تھا۔ بلا شبہ اغالبہ نے استعماریت کے باب میں اپنے عمل سے ایک مفید طریق کار کا آغاز کیا تھا جس کی نظیر ماقبل کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔ ہمارے خیال میں دولتِ اغالبہ سے پہلے کسی اور حکومت کے متعلق یہ دعوے نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مختلف عناصر کی آمیزش سے کوئی ایسی نو آبادی قائم کرپائی ہو جس میں کسی خاص جنسیت اور کسی خاص اعتقاد و ملت کی رعایت و جانبداری کا شائبہ مطلق نہ ہو۔

اغلبی امرا رہی کی تاریخ سے مخصوص یہ بات بھی ہے کہ انہیں کی توجہ والتفات سے صقلیہ، مالطہ اور خصوصاً قوصرہ میں زراعت کو ترقی نصیب ہوئی۔ قوصرہ کی سنگلاخ زمین میں کاشت کے مناسب ذرائع اور ضروری اسباب و وسائل پہلی دفعہ اغلبی دور میں اختیار کئے گئے۔ روئی کی کاشت اغلبی عہد سے پیشتر یہاں نہیں ہوئی تھی لیکن اغالبہ کی حکومت میں یہاں اس کی کاشت بھی شروع ہوئی جو آج تک باقی ہے۔ اس بارہ میں ابو الفدا کا بیان گزرچکا ہے روئی کی کاشت

کا اصل مرکز افریقہ تھا جہاں اس کی ابتدا عربوں نے کی تھی۔ قابس اور بلاد الجرید میں روئی خاص طور پر پیدا ہوتی تھی۔ بعد میں بنو الاغلب نے اس کی کاشت کو اپنے مقبوضات میں رواج دیا۔

قوصرہ موجودہ زمانہ میں بھی روئی پیدا کرتا ہے اور نفع اندوز ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں جو اصطلاحی الفاظ موجودہ قوصرہ میں بولے جاتے ہیں وہ عربی ہی کے ہیں۔ مثلاً دُھنی ہوئی روئی عربی زبان میں محلوج کہلاتی ہے۔ اہل قوصرہ کی زبان میں اس کا تلفظ Malugiu ہے۔ یا سوت کاتنے کا ایک آلہ عربی زبان میں دِدّانة کہلاتا ہے عربی میں راء مفتوح ہے۔ یہ لفظ بعینہٖ یہاں مستعمل ہے۔ صرف اس تغیر کے ساتھ کہ یہاں کی زبان میں Ruddana بضم الراء بولتے ہیں۔

غرض اغلبی عہد ہی سے قوصرہ ایسی نوآبادی بن گیا تھا جس پر عربیت کا رنگ پوری آب و تاب کے ساتھ چڑھا ہوا تھا۔ قیروان کی حکومت کا یہ ایک اہم جنگی مرکز بھی تھا جہاں خبر رسانی کا محکمہ قائم تھا۔ بعد میں جب اغالبہ کی حکومت پر دولت عبیدیہ کا قبضہ ہوگیا تو اس عہد میں بھی قوصرہ کی اہمیت میں کچھ فرق نہ آیا۔ اہل افریقہ ترک وطن کرکے جوق در جوق قوصرہ کی طرف اُمنڈے آرہے تھے علی الخصوص دعوت فاطمیہ کی ابتدا ہوئی تو بربر کے خوارج دور دراز علاقوں کے علاوہ اسی جزیرہ میں پناہ لیتے تھے۔

اسلامی اقتدار کا خاتمہ

پانچویں صدی ہجری کے نصف میں بحر متوسط پر "نورمان" مسیحیوں کی طاقت کا ظہور ہوا۔ اور صقلیہ اور دوسرے جزیروں سے اسلامی اقتدار کا خاتمہ بتدریج ہونے لگا۔ ادھر افریقہ میں دولت بنی زیری (صنہاجہ) کی حالت دگرگوں تھی، بنو ہلال اور بنو سلیم کی یورشیں افریقہ کی حکومت کو کھوکھلی کرچکی تھیں۔ تاہم المعز بن بادیس نے آخری کوشش کی کہ صقلیہ اور اس کے قرب و جوار کے جزیروں کو مسیحیت کے پنجہ سے ایک بار پھر چھڑالے، لیکن بے سود۔ ابن بادیس کے بحری بیڑے جو صقلیہ کے زبوں حال مسلمانوں کی مدد کو (۴۴۵ھ) روانہ ہوئے تھے، قوصرہ کے مقابل ہی پہنچے تھے کہ سمندری طوفان میں گھر کر تہ و بالا ہوگئے۔ غرض اس نواح کے تمام جزائر ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء تک یکے بعد دیگرے نارمن بادشاہ راجر کی مملکت میں داخل ہوتے گئے جس نے صقلیہ میں ایک مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی تھی۔

نارمن عہد میں مسلمانوں کے ساتھ ایک گونہ رواداری برتی گئی مسلمانوں کے مذہب و عقیدہ کی حرمت کا خیال رکھا

گیا، عرب فضلاء کی قدر و منزلت بھی نارمن دربار میں تھی چنانچہ مسلم اصحابِ قلم نے نارمن فرمانرواؤں کے لئے عربی زبان میں کتابیں لکھیں اور شعراء نے اپنے قصائد میں اُن کی ثناخوانی کی۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے نارمن عہد میں ایک خاص اعتماد حاصل کر لیا تھا جس کی شہادت مشہور سیاح ابن جبیر اندلسی کے سفرنامہ میں ملتی ہے۔

صقلیہ کا نارمن فرمانروا تونس کے سواحل پر بھی اپنا اقتدار قائم کرنا چاہتا تھا چنانچہ اسی مقصد کے لئے راجر (Comte Roger) نے ایک عظیم الشان فوج ترتیب دی اور اس کے بحری بیڑے افریقہ کے دارالحکومہ المھدیہ کی طرف بڑھے۔ یہ امراءِ صنہاجیہ کا آخری زمانہ تھا (۵۱۷ھ ۔ ۱۱۲۳ء) صقلیہ کے مسیحی قلعہ دیماس کے قریب اُتر پڑے یعنی موجودہ قریہ بقالطہ کے حدود میں۔ یہیں صنہاجی فوج کا مقابلہ ہوا اور ایک سخت معرکہ کے بعد عیسائی شکست فاش سے دوچار ہوئے۔ اسی فتح کے موقعہ پر صقلیہ کے شاعر کبیر عبدالجبار بن حمدیس نے آخری صنہاجی حکمراں حسن بن علی کی مدح میں وہ قصیدہ لکھا جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

ابی اللہ الا ان یکون لک النصر وان یھدم الایمان ما شادہ الکفر

شکست خوردہ راجر نے دوبارہ حملہ کی تیاری کی اور ۵۴۲ھ (۱۱۴۸ء) میں المہدیہ اور تونسی سواحل پر قابض ہو گیا حسن بن علی الصنہاجی بلادِ مغرب کی طرف نکل گیا جس کی تفصیل خاص تونس کی تاریخ سے متعلق ہے۔

قوصرہ سے مسلمانوں کی ہجرت

صقلیہ، مالطہ اور دوسرے جزیروں کی طرح قوصرہ بھی برابر نارمن حکومت کے زیر اقتدار رہا یہاں تک کہ ایک جرمن خاندان ہوہنشطوفن (Hohenslaufen) نے نارمنوں سے حکومت چھین لی اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کا رویہ یکسر بدل گیا۔ مسلمانوں پر ناقابل برداشت مظالم کا آغاز اسی خاندان کی حکومت سے ہوتا ہے۔ بالآخر جرمنوں اور اُن کے بعد آنجو (Anjou) کے جانشینوں کی ستم رانی سے تنگ آ کر ان جزائر کے مسلمانوں نے افریقہ اور تونس کی طرف ہجرت کی۔ اس وقت افریقہ میں موحدین اور بنو حفص برسراقتدار تھے۔ ان ستم رسیدہ مہاجرین کا استقبال گرمجوشی سے کیا گیا اور ان کی آبادکاری کے سلسلہ میں ہر قسم کی سہولت بہم پہونچائی گئی۔ ان مہاجرین میں ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے۔ چنانچہ سپاہیانہ جوہر رکھنے والوں کو افریقہ کی فوج میں، زراعت پیشہ لوگوں کو زراعت کے میدانوں میں اور علوم و فنون کے ماہرین کو افریقہ و تونس کے علمی حلقوں میں کام کرنے کا موقع دیا گیا۔ انہیں میں ادریسیوں کا ایک مشہور خاندان آل الصقلی بھی تھا جو تونس میں فن طب کے مخصوص ماہرین

کا خاندان تھا اور بہت ممکن ہے یہ خاندان مشہور علامہ الشریف الادریسی کی ذریت ہو۔

مدجنین یا مسلمانوں کی باقیماندہ جماعت

مہاجرین جو تونس اور افریقیہ میں پناہ لینے آئے تھے ان میں زیادہ تر مستطیع اور متمول خانوادے تھے ورنہ نادار و کمزور مسلمانوں کا طبقہ تو اپنے قدیم وطن ہی میں عیسائیوں کے ظلم و تعدی کا نشانہ بنا ہوا اپنی زندگی بسر کر رہا تھا۔

ان ضعفائے مسلمین ہی کے خیال سے امرائے دولت حفصیہ اپنی قوت و شوکت کے دور میں ان جزیروں کے سیاسی امور میں مداخلت کرتے رہے۔ اور عیسائی فرمانرواؤں کو ان کی مسلم کش پالیسی پر برابر تنبیہہ و تہدید سے کام لیتے رہے۔ یہاں تک کہ اخیر میں ابوزکریا الاکبر اور فرنڈیرک ثانی کے مابین ۱۵ر جمادی الآخرہ ۶۲۸ھ مطابق ۲۰ر اپریل ۱۲۳۱ء کو ایک معاہدہ ہوا جس کی مدت دس سال کے لئے تھی۔ اس معاہدہ کی رو سے دولت حفصیہ نے جزیرہ قوصرہ پر فرنڈیرک کی بالادستی اس شرط پر تسلیم کی تھی کہ قوصرہ کا نصف محصول سالانہ، تونس کی (اسلامی) حکومت کو ملتا رہے۔ نیز اس صلحنامہ کی صریح دفعہ یہ تھی کہ فرنڈیرک کے قلمرو میں جو مسلمان مقیم ہیں ان کے مذہبی اور دینی عقائد کا احترام پوری طرح ملحوظ رکھا جائے اور مسلمان شرعی عرفی احکام و رسوم کی ادائیگی میں بالکل آزاد ہوں گے۔ امیر ابوزکریا کی زندگی تک اس معاہدہ کے دفعات کے مطابق برابر عمل ہوتا رہا۔ یہ معاہدہ امیر موصوف کی تاریخ حیات کا نہایت روشن کارنامہ تھا۔ امیر ابوزکریا کی وفات کے ساتھ ہی عیسائیوں کی روش مسلم رعایا (مدجنین) کے ساتھ یکسر بدل گئی اور معاہدہ کی خلاف ورزی شروع ہوگئی چنانچہ ابن خلدون اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ

"امیر ابوزکریا[1] کی وفات - ۲۳ر جمادی الاخری ۶۴۷ھ - ۱۰ر اکتوبر ۱۲۴۹ء - کی خبر جب صقلیہ پہنچی تو یہاں کے مسلمان جو شہر بلرمو میں آباد اور سلطان موصوف اور فرمانروائے جزیرہ کے معاہدہ کی رو سے سکون و اطمینان کی زندگی بسر کر رہے تھے، سلطان کی وفات کی اطلاع پاتے ہی اہل مسیحیت ان پر ٹوٹ پڑے اور مسلمانوں کو قلعوں اور محفوظ مقامات میں سمٹ آنا پڑا۔ ان لوگوں نے بنو عبس کے ایک جوشیلے بہادر کو اپنا سردار بنا لیا۔ شاہ صقلیہ نے اس قلعہ بند مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور آخر الامر ان کو قلعہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اس جماعت کو سمندر پار ایک مقام لوجارہ[2] (Lucera) میں رکھا گیا اس کے بعد

(۱) تاریخ ابن خلدون: ج ۱ ص ۴۰۹ (الجزائر)
(۲) انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا بیان ہے کہ بیس ہزار عرب، لوجارہ پہونچائے گئے تھے۔ شروع میں ان کو اپنے مذہب پر چھوڑ دیا گیا تھا لیکن ۱۳۰۰ء میں اکثر و بیشتر قتل کر دیئے گئے اور ان میں سے جو لوگ مجبوراً عیسائی ہو گئے وہی باقی بچے (دیکھو ج ۱۴ ص ۵۸۴ ۲۹ واں ایڈیشن - لفظ LUCERA)

مالطہ اور قوصرہ کے مسلمان بھی پکڑ کر یہیں لائے گئے۔ صقلیہ اور ان چھوٹے جزیروں پر عیسائی مستولی ہوگئے اور یہاں سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔"

ابن خلدون کے مذکورہ بیان کے بعد قارئین کو یہی گمان ہوگا کہ ان جزیروں اور علی الخصوص ہماری بحث کے اصل موضوع جزیرہ قوصرہ سے مسلمانوں کے تعلقات بالکلیہ ختم ہوگئے ہونگے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان نوآبادیوں سے اہل افریقہ کے روابط مذکورہ بالا خونچکاں وقائع کے بعد بھی کسی نہ کسی جہت سے باقی رہے تھے۔ جب تک دولتِ حفصیہ کا وجود باقی رہا افریقہ کے مسلمان قوصرہ میں اقامت اور وہاں کی آمد ورفت سے باز نہ رہے۔ چنانچہ ہماری تائید ابن فضل اللہ العمری کے اس بیان سے ہوتی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔ اور اس کے الفاظ ہم مکرر پیش کرتے ہیں۔ وبها جماعة من المسلمين تحت الذمّة على مقرر لهم — یعنی قوصرہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت مسیحیوں کے ماتحت جزیہ دیکر رہتی تھی۔ اس سے پیشتر ابن سعید غرناطی جس کے زمانہ میں ان جزیروں کے مسلمانوں پر عیسائیوں نے مظالم برپا کر رکھے تھے اس کا بیان بھی یہی ہے۔ کہ قوصرہ کے مسلمان صقلیہ کے فرنگیوں کے ماتحت رہتے تھے اور انہی مسلمانوں کو افریقہ کے مسلمان مدجن اور اسپین کے عیسائی Mudejare کہتے تھے۔ پھر نویں صدی ہجری میں قاضی ابوالقاسم بن ناجی القیروانی (م رجب ۸۳۹ھ جنوری ۱۴۳۶ء) کے ایک بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بھی قوصرہ میں مسلمانوں و عیسائیوں کی مخلوط آبادی تھی۔ اس وقت اس جزیرہ پر اسپین کے عیسائیوں کا قبضہ تھا اور یہاں کے مسلمانوں کے لئے دینی اور شرعی احکام کے فیصلہ کے لئے ایک قاضی کا تقرر ہوا کرتا تھا۔ قوصرہ کے مسلمان افریقہ کے بندرگاہوں اور خصوصاً مشرقی ساحل کے شہروں مثلاً سوسہ، المہدیہ، صفاقس، قابس وغیرہ تک آمد ورفت رکھتے تھے۔ ابن ناجی کے بیان سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اسلامی قلمرو کے علماء غیر مسلم مملکتوں میں ان مسلمانوں کی بود وباش پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ قاضی موصوف کی اصل عبارت درج ذیل ہے:-

"وجرى لي[1] وانا قاضي بجربة — حدود سنة ۸۰۰ھ (۱۳۹۸م) أن قدم لي رسم فيه شهادة قاضي قوصرة يذكر حق شهود

جربہ میں منصب قضاء پر مامور رہتے ہوئے ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) کے لگ بھگ کی بات ہے کہ میرے پاس ایک فتوی پہونچا جس میں قوصرہ کے قاضی نے ذاتی علم کی بنا پر دعوی دائر کرنے والوں کے

(۱) شرح رسالہ ابن ابی یزید: ص ۴۰۶ طبع مصر ۱۳۳۲ھ

من علمه - فطلب منی العارض أن أوقع
علی خطه فلم أمکن صاحبه من ذلك
لأنهم (أی مسلمو قوصرة) قادرون
علی التحلیل فی الخروج منها وربما یخرج
بعض من فیها ویعود الیها وهم تحت
حکم الکفار

حق میں شہادت دی تھی۔ فتویٰ پیش کرنے والا چاہتا تھا کہ
میں بھی اپنے دستخط کردوں لیکن میں باز رہا اس لئے کہ
قوصرہ کے مسلمانوں کے لئے وہاں سے نکل آنا ممکن ہے چنانچہ
وہاں کے بہتیرے مسلمان اسلامی علاقوں کا سفر کرتے
ہیں اور پھر کافروں کی حکومت میں رہنے کے لئے واپس
لوٹ جاتے ہیں۔

ابن ناجی کے بیان کی تصدیق تونس کے مشہور مفتی امام ابو القاسم محمد بن احمد البرزلی (م ۸۴۱ھ ۱۴۳۸ء) کے ایک فتویٰ سے ہوتی ہے جس میں مفتی صاحب موصوف کے الفاظ یہ ہیں:۔

"ومثله(۲) عندنا بافریقیة اهل
قوصرة، فانها تحت ایالة الکفر وقد
اختار بعضهم الاقامة بها فمن غلب
علی امره منهم فله مندوحة ولیست
بجرحة فی حقه لانه کالمکره ومن کان
باختیاره فهو جرحة وحکم ماله یجری علی ما
سبق وهم- أی مسلمو قوصرة - ونحوهم من
اهل الاندلس یسمون بالدجن"

"یہی مثال ہمارے یہاں افریقیہ میں قوصرہ کے مسلمانوں
کی ہے جو کافروں کی حکومت میں رہتے ہیں۔ ان میں سے
جو مغلوب و مجبور ہو کر رہ گئے ہیں ان کے لئے تو گنجائش
نکل آتی ہے۔ لیکن جو وہاں سے منتقل ہو سکتے ہیں پھر
بھی وہیں رہنا گوارا کرتے ہیں ان کے ساتھ مطلق
رعایت نہیں۔ اور ان کے اموال کا وہی حکم ہوگا جو مذکور
ہوا۔ قوصرہ اور اسی طرح اندلس میں جو مسلمان رہ گئے ہیں
وہ "مدجن" کہلاتے ہیں۔

دفتری نظم ونسق

قوصرہ پر عربی استیلاء کے دور میں یہاں نظام حکومت کی کیا شکل تھی، پیش نظر تاریخی مصادر سے اس مسئلہ کی وضاحت نہیں ہوتی۔ افریقیہ کی اسلامی سلطنت یہاں کے لئے مستقل والی کا تقرر کرتی تھی یا جزیرہ صقلیہ و مالطہ کے والیوں میں سے کسی ایک کے ذمہ یہاں کی نگرانی ہوا کرتی تھی۔ ان میں سے کسی شق کے متعلق بھی ہماری تاریخ کوئی قطعی ثبوت بہم نہیں پہنچاتی۔ البتہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اغلبی امرار کو اپنے قلمرو کے ہر ہر خطہ سے بڑا گہرا لگاؤ رہتا تھا اور ان کو اپنے ملک کی ترقی و تہذیب اور آبادکاری کے مسائل سے خاص

(۱) المعیار للونشریسی طبع فاس ۱۳۱۴ھ نیز جامع مسائل الاحکام قلمی نسخہ مملوکہ حسن حسنی عبدالوہاب پاشا۔

دلچسپی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ ملک کے حالات کا بذات خود گہرا جائزہ لیتے تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ امیر محمد ثانی جس کا لقب ابوالغرانیق تھا ایک دفعہ سوسہ کے بندرگاہ سے سوار ہوکر جزیرۂ قوصرہ پہنچا اور کئی دن یہاں ٹھہرا رہا کہ جزیرہ کے حالات اس پر عیاں ہوجائیں۔ اسی طرح دوسرے سلاطین بھی قوصرہ اور باقی جزیروں مثلاً مالطہ اور صقلیہ کا سفر اسی ارادہ سے کیا کرتے تھے کہ رعایا کی شکایتیں سن پائیں اور ملک کی حالت سدھار سکیں۔

مذکورۂ بالا وجوہ کی بنا پر بعید نہیں اگر قوصرہ کے لئے مستقل عامل کا تقرر ہوتا رہا ہو جس کے ذمہ داخلی نظم ونسق اور حربی واجتماعی فرائض وواجبات کو انجام دینا ہو۔ بہرحال یہاں کے قاضی شرعی کا منصب تو مستقل تھا جس کا تقرر مرکزِ حکومت قیروان اور بعد میں المہدیہ سے ہوا کرتا تھا۔ قوصرہ سے جب اسلامی اقتدار کا خاتمہ ہوگیا تو مقامی مسلمانوں کی جماعت خود ہی قاضی کا انتخاب کیا کرتی تھی جس کو مسیحی حکومت تسلیم کرلیتی تھی اور اسی کے جاری کردہ شرعی احکام کو نافذ کرواتی تھی۔ اس سلسلہ میں علامہ ابن ناجی کا مذکورہ بالا اقتباس ثبوت کے لئے کافی ہے۔

نویں صدی ہجری تک اس جزیرہ میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اسی نظم کے ساتھ ہوتی رہی اور شاید دسویں صدی ہجری میں بھی اسی قسم کا انتظام رہا ہوگا لیکن نویں صدی کے بعد یہاں کے مسلمانوں کا حال انتہائی تاریکی میں ہے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ دسویں صدی ہجری اور مابعد زمانہ میں یہاں کے "مدجنین" کا انجام کیا ہوا۔ اتنا تیقن ہے کہ جیسے جیسے دولت بنی حفص کی قوت پر اضمحلال کا غلبہ ہوتا گیا۔ افریقہ سے جزیرۂ قوصرہ کو جو مادی ومعنوی امداد وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی تھی اس میں نہ صرف کمی ہی آگئی بلکہ اخیر میں اس کا سلسلہ سرے سے منقطع ہوگیا اور جزیرہ کے بے یارومددگار مسلمانوں پر کلی اضمحلال طاری ہوگیا ایسا کہ پھر ان کا حشر معلوم نہیں کیا جاسکا۔ گمان غالب ہے کہ قوصرہ پر جب اہل اسپین کو غلبہ حاصل ہوا تو جس طرح بلادِ اندلس میں ان مسلمانوں کو جو ترکِ وطن کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے جبراً عیسائی بنا لیا گیا۔ اسی طرح قوصرہ کے مسلمانوں کو بھی تبدیلِ مذہب پر مجبور کیا گیا ہوگا۔

قوصرہ سے قریب دو جزیرے

قوصرہ کے قرب وجوار کے جزیرے لمپدوسہ (Lampedusa) اور لنوشہ (Linosa) جو بلادِ تونس سے پورب میں واقع ہیں بظاہر قوصرہ کے ماتحت تھے اور یہاں کی مسلم آبادی کے متعلق وہی باتیں کہی جاسکتی ہیں جو خود قوصرہ کے مسلمانوں کے بارے میں

اوپر گزر چکی ہیں۔ ان دونوں جزیروں کے متعلق ہمیں اسلامی مصنفین کے یہاں تمام معلومات یکجا نظر نہیں آتے البتہ ان کے نام ضمنی طور پر کتابوں میں آجاتے ہیں۔ ابو عبید البکری اپنی تصنیف المسالک میں ان دونوں کے نام پر اکتفا کرتے ہوئے ان کی جگہ تونسی جزیرہ قرقنہ کے سامنے یعنی مشرق میں بتاتا ہے۔ عرب جغرافیہ نویسوں میں سے ادریسی کا بیان سب سے زیادہ مفصل ہے لیکن اس کے بیان سے ان دونوں جزیروں کی تاریخ پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ امام محمد بن علی المازری (م ۵۳۶ھ) کے ایک فتوی میں ضمناً لنیدوشہ کا ذکر آگیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں المہدیہ سے اسکندریہ تک بادبانی جہازوں کے ذریعہ بحری سفر کیا کرتے تھے اور اس بحری راستہ میں کشتیوں کا ایک اسٹیشن یہی جزیرہ تھا۔

قوصرہ اور عثمانی ترک

اہل اسپین کی حکومت قوصرہ سے آل عثمان کی بحری طاقت کے ظہور کے ساتھ زائل ہونے لگی۔ ترکوں نے بحر متوسط پر غلبہ واستیلا حاصل کر کے اسلامی بیڑے کا رعب سطح بحر پر دوبارہ قائم کر دیا۔ ۹۶۰ھ (۱۵۵۳ء) میں مشہور ترکی امیر البحر طورغود باشا نے جس کو اہل تیونس اپنے لہجہ میں درغوث کہتے ہیں جزیرہ قوصرہ کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ کے بحری مقبوضات میں شامل کر لیا، اور ترکی بحریہ میں اہم مرکز بنا دیا تھا۔ جب تک ترک المہاریہ پر قابض رہے قوصرہ بھی ان کے زیر اقتدار رہا۔ یہاں کے مالطہ کے سوار دل کی جماعت یعنی استباریہ اس جزیرہ پر قابض ہوگئی اور انگریزوں کی آمد تک یہاں اہل مالطہ کا تسلط قائم رہا۔ انگریزوں کا قبضہ مالطہ اور اس کے ملحقات پر ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں قائم ہوا۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ آخری ادوار میں مسلمانوں کی جماعت یہاں باقی بھی رہی تھی یا سب کو اسپینی مسیحیوں اور استباریہ کے زیر اثر تبدیلِ مذہب پر مجبور ہونا پڑا۔ بظاہر آخری شق کا احتمال غالب ہے لیکن یقینی طور پر ثابت ہے کہ اس جزیرہ کے بسنے والوں کی زبان مسیحیت کے اقتدار مطلق کے باوجود عربی زبان تھی اور ان لوگوں کا لباس تو قریبی زمانہ تک تونسی علاقوں کے لباس سے ملتا جلتا تھا۔

قوصرہ اور لغۂ عربیہ

سترھویں صدی عیسوی کا ایک فرانسیسی سیاح جان بونی (Jean Bonnet) مرادیین کے عہد میں ۱۰۷۹ھ سے ۱۰۹۲ھ تک (۱۶۶۸ء - ۱۶۸۱ء) تونس میں گرفتار رہا پھر بندرگاہ سوسہ سے ایک بادبانی جہاز پر سوار ہو کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے سفرنامہ میں

تونسیوں کے قید سے فرار کی داستان سُناتے ہوئے جزیرۂ قوصرہ (سنطلاریہ سے گزرنے کا ذکر کیا ہے۔ قوصرہ پہلا فرنگی مقبوضہ تھا جہاں اس کو تونس سے فرار ہونے کے بعد دم لینے کا موقع ملا تھا۔ یہاں اُسے ایک ترجمان کی ضرورت پڑگئی چنانچہ مالٹہ کے ایک شخص نے اس خدمت کے لئے آمادگی ظاہر کی اس لئے کہ قوصرہ کی زبان عیسائیوں کے عہد میں بھی مالٹہ کی زبان سے مشابہ تھی۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ عربی زبان قوصرہ کے مسیحیوں میں اٹھارہویں صدی ہجری کے اوائل تک رائج رہی اور اہل قوصرہ کے بول چال کی زبان، عربی کے سوا کوئی اور یورپین زبان نہیں بن سکتی تھی۔ گرچہ ان کی عربی ویسی ہی محرف شکل کی ہوگئی ہوگی جیسی مالٹہ میں زمانہ حال تک مستعمل رہی ہے۔ یا ممکن ہے کہ قوصرہ سے بلادِ تونسی کی قربت کا یہ اثر ہو کہ وہاں کی عربی اہل مالٹہ کی زبان کی بہ نسبت لغۂ فصحیٰ سے قریب تر رہی ہو

قوصرہ کے بہت سے مقامات کے نام اصلاً عربی زبان کے ہیں بلکہ اسّی فیصدی ناموں کے متعلق یہ دعویٰ صحیح ہے۔ ہمارے بعض اطالوی دوستوں کو حیرت تھی کہ تقریباً سات سو برس سے لاطینی بولنے والے عیسائیوں کا قبضہ اس جزیرہ پر ہے اس کے باوجود یہاں کے مقامات کے نام بالعموم عربی ہی ہیں! لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ عربی فتح کا اثر کچھ اتنا پائدار اور گہرا ہوا کرتا تھا کہ آج جہاں عربوں کا نام ونشان مٹ چکا ہے وہاں بھی مقامی باشندوں کی تہذیب وثقافت اور زبان وتمدن پر عربیت کا اثر حال تک مشاہدہ میں آتا ہے۔ اور تنہا قوصرہ ہی پر موقوف نہیں بلکہ صقلیہ، اندلس، مالٹہ اور مالٹی جزیروں میں بھی عربوں کے اثرات ہویدا ہیں۔ ذیل میں قوصرہ کے بعض مقامات کے ناموں کی ایک فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

— المرسی ، (Limarse)

— بیت المرسی، آج کل کے استعمال میں لاطینی املا وتلفظ کے مطابق (Beccimursa) ہے

— الشرف ، (Scirafe) بلند مقام

— جبل ، (Gibele) اس جزیرہ کے سب سے بلند مقام کا نام

— جبل احمر ، (Gelkhamar)

— الشمالیۃ ، (Limillia) ایک مقام شمالی جہت میں۔

— الغنیۃ ، (Mugna) باغ وبوستان کے معنی ہیں، اس جزیرہ کے جغرافیائی ناموں میں یہ لفظ اکثر آتا ہے

—— الحمه (Khamma) ایک چھوٹا گاؤں جس میں گرم پانی کا ایک چشمہ بیچ جزیرہ کے برکانی آثار میں سے ہے اسی چشمہ کی مناسبت سے یہ نام ہے۔

—— کدیۃ الحمۃ (Cuddia-de-Khamma

—— حروشه (caruscia) ایک سنگلاخ قطعۂ زمین کا نام۔ تونس میں سنگلاخ زمین کو "حروش" کہتے ہیں۔

—— سلوم (Sollume) صحیح شکل عربی کی -سلم- ہے، پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ۔ واؤ کا اضافہ تونسی لب و لہجہ کی پوری طرح غماز ہے۔

—— خربه (Harbe)

—— زیتة (Zita)

—— کدیة (Cuddia) ہر بلند جگہ کو کہتے ہیں - کئی ایک مقاموں کے نام کا جزء ہے۔

—— الحجر (Khagiar.

—— أبو قرة (Buccura) گمان یہ ہے کہ کسی شخص کے نام پر اس مقام کا نام پڑا۔

—— کدیة ابن سلطان (Cuddia Bonsultan

—— بنی قائد (Beni Cuad

—— بورة (Buria) لفظ بُر کی تصغیر ہے تاء تانیث کے ساتھ

—— بلاطة (Balata

—— حنقة (Hanaka) موجودہ استعمال میں "حنکہ" ہے دو پہاڑوں کے درمیان تنگنائے۔

—— الحلقة (Liagalcha

—— کدیة النورة (Cuddia attulora.

—— سداری (Sidere.

اس فہرست کو مزید طول نہیں دیا جاتا ہے کہ مقامات کے نام سیکڑوں کی تعداد میں عربی الاصل ہیں۔ موجودہ

بنطلاریہ (قوصرہ) میں عربی مفردات کی کیا شکل ہوگئی ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل فہرست سے ہوگا اگر ان تمام عربی کلمات کو جمع کیا جائے تو لغت کی ایک مستقل تالیف تیار ہوسکتی ہے۔

—— زبیب (Zebibo) خشک انگور (کشمش)

—— ببفرة (Befra) انجیر کا پھول۔ اہل تونس کی زبان میں ببیٹرة ہے یعنی فاء کے بجائے تاء بولتے ہیں۔ تلفظ کی دونوں صورتیں صحیح ہیں یہ لفظ یونانی الاصل ہے۔

—— سواقی (Sciwachi) پانی کے بہنے کی جگہ۔ اصل میں ساقیہ کی جمع ہے۔

—— دکانة (Duccana) چبوترہ

—— سکارة: اہل قوصرہ سکالة۔ بولتے ہیں قفل کے معنی ہیں۔ ایک تونسی مثل ہے:-

کیف ببیب کیف سکالة - یعنی ردی دروازہ کے لئے ردی قفل -

—— جحا (Giufa) ایک مجہول شخصیت[1] کا نام جس کی طرف مضحک حکایات اور ذکاہی قصے منسوب ہیں، اہل قوصرہ حائے حلقی کے بجائے فاء کا تلفظ کرتے ہیں یعنی جفا بولتے ہیں اور کئی کلمات میں بھی حاء کو فاء سے بدل دیتے ہیں

—— داموس (Damusso) ہر قوس نما عمارت کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ اسی معنی میں اہل تونس بھی بولتے ہیں۔

—— ساسی (Sicci) عربی لفظ أساس کی بگڑی ہوئی صورت - ہر سنگی بنیاد کو اہل بنطلاریہ Secci کہتے ہیں - جزیرہ سردانیہ میں یہ لفظ قدیم عمارات کے لئے بولا جاتا ہے۔

—— حربوشه - گندھے ہوئے میدہ کی ٹکیا بناکر گرم گرم خاکستر میں ڈالکر پکاتے ہیں - اسی کو تونس کے زراعت پیشہ "خزالملة" کہتے ہیں۔

—— مطیرة: وہ قطعۂ زمین جس کو ہل چلانے سے پہلے سیراب کرلیتے ہیں۔

---

(۱) اس مجہول الحال شخص کا ذکر عربوں کے مذاہی قصوں کہانیوں میں عام تھا چنانچہ ابن الندیم کتاب الفہرست میں ایسی ہی کہانیوں کے ایک مجموعہ کا ذکر کرتا ہے جس کا نام کتاب نوادر جحا ہے - دیکھو ص۴۳۵ طبع رحمانیہ مصر۔

—— حفیان : اس کا تلفظ - حفیانو - (Afiano) کرتے ہیں - جو ننگے پاؤں ہو۔

مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ بہ کثرت عربی الاصل الفاظ یہاں کی زبان میں داخل ہیں جن کی تحقیق اور اصل عربی شکل کو معلوم کرنا کچھ دشوار بھی ہے - بہرحال ہماری مختصر فہرست پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عربی زبان قوصرہ میں قریبی زمانہ تک مستعمل رہی چنانچہ ہمارا دعویٰ گذر چکا ہے - بعد میں یہاں کی عربی پر اطالوی زبان یا یہ کہیے کہ صقلیہ کی زبان کا غلبہ ہوا پھر بھی کچھ الفاظ عربی کے باقی رہ گئے۔

قوصرہ کی معاشرت پر عربی اثر

یہاں تک تو زبان کا معاملہ تھا، جہاں تک معاشرت کے مختلف پہلوؤں کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اہل قوصرہ تھوڑی مدت پہلے تک اہل افریقیہ کے رسوم و عادات کی تقلید کرتے رہے تھے اور اُن کی زندگی کے مختلف شعبوں پر افریقی اور بربر عربوں کا اثر باقی رہا تھا۔ ان کے لباس میں خاص تونسی وضع کی ٹوپی عام تھی۔ تونسی سواحل اور جزیرہ شریک کے اونی لبادے (قشابیہ) عموماً رائج تھے۔ تقریباً گذشتہ ایک صدی کے اندر قوصرہ اور تونس کے تجارتی تعلقات ختم ہو گئے تو تونسی وضع قطع کی جگہ اطالوی طرز و وضع نے لے لی : جزیرہ جربہ کے بنے ہوئے مٹی کے برتن مثلاً مٹکے، گھڑے آبخورے وغیرہ یہاں کے گھروں میں عموماً مستعمل تھے - قوصرہ کی خواتین زمانہ حال تک پردہ میں نکلتی تھیں، کسی کام سے گھر سے باہر نکلنا ہوتا یا کلیسا کی حاضری ہوتی تو سیاہ گلیم میں اچھی طرح لپٹی ہوئی نکلتیں اور چہرہ کا کوئی حصہ بجز آنکھوں کے نظر نہیں آتا تھا - تونسی ساحل کی عورتیں بھی جب گھر سے باہر نکلتی ہیں تو اسی سیاہ لبادے میں علی الخصوص شہر سوسہ کی عورتیں تو اسی وضع کی پابند ہیں۔

اسلامی عہد کے آثار قدیمہ

قوصرہ کے سواحل اور ویرانوں سے خاصہ تعداد عربی سکوں کی برآمد کی گئی ہے، یہ سکے مختلف اسلامی حکومتوں یعنی اغالبہ، عبیدیہ اور دولت حفصیہ کے عہد کے ہیں۔ ان سکوں کی ڈھلائی افریقیہ کے دار الضرب میں ہوتی تھی - اثری تحقیقات کے سلسلہ میں رخام اور معمولی پتھر کے الواح اور کتابے بھی جمع کئے گئے ہیں یہ کتابے اسلامی دور کی قبروں پر نصب تھے - اثری تحقیق کے سلسلہ میں اماری اور اورسی (Orsi) کی کارگزاریاں علمی دنیا میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔

اس مختصر مضمون کو پڑھ کر آپ پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو چکی ہوگی کہ اہل قوصرہ وضع قطع، زبان و بیان، صنعت و حرفت غرض زندگی کے اکثر شعبوں میں افریقیہ کے عرب اور بربر مسلمانوں کے مرہون منت رہے ہیں اور اسی جزیرہ کی کیا خصوصیت ہے، صقلیہ، مالطہ اور ماباقی جزائر بحر روم کو بھی عربوں سے ورثہ میں بہت کچھ ہاتھ آیا جس کا اعتراف یورپ کے اہل تحقیق صریح لفظوں میں کرنے لگے ہیں - انتہیٰ